محمد عمر فاروق

# وہ اکثر یاد آتے ہیں

شاہ جی کو رخصت ہوئے دو سال کا عرصہ پلک جھپکتے ہی بیت گیا۔ لیکن وہ ایک لمحے کیلئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوئے۔ شاہ جی ہمیشہ ہمارے سامنے موجود رہیں گے۔ وہ ہم سے دور کیسے رہ سکتے ہیں۔ وہ ہماری ہر بات کا حوالہ ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تحریر و تقریر اور محفل و مجلس...... غرض ہماری زندگی کے بیشتر گوشے نامکمل رہ جاتے ہیں۔ کم از کم میں اپنی حد تک بلاتامل کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تیس سالہ عمر عزیز پر ان کی اثر آفریں شخصیت کے گہرے نقوش قدم قدم پر محسوس کیے ہیں۔

شاہ جی کی شخصیت، خطابت، شاعری، زبان و ادب شناسی، مفکرانہ و قائدانہ خصوصیات وغیرہ کا احاطہ کرنے والے بہت موجود ہوں گے۔ لیکن میں اپنی ذات کے حوالے سے ان کے ساتھ تعلق اور اپنی یاد داشتوں کو ہی موضوع سخن بنا رہا ہوں۔

شاہ جی کے خاندان سے ہمارا تعلق پون صدی پرانا ہے۔ راقم الحروف کے دادا جان کے برادر اکبر مولانا حافظ محمد سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندان کی حریت فکر و عمل کے مکمل آئینہ دار و ترجمان تھے۔ حافظ سعد اللہ مرحوم بخوبی علم رکھتے تھے کہ ان کے خاندان کے اکثر افراد تحریک بالا کوٹ، تحریک ریشمی رومال اور اس سے بیشتر شاہ پور کے ٹوانوں کے خلاف آزادی کی تحریک میں شہادت اور قید و بند کے مراحل سے گزر چکے تھے۔ یہی آگ تھی جس نے حافظ صاحب کو بے چین رکھا ہوا تھا کہ ۱۹۲۰ء کے زمانہ میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ تلہ گنگ (ضلع چکوال) میں تشریف لائے۔ یہ علاقہ انگریز کے حاشیہ برداروں کی مکمل گرفت اور ان کے ظالمانہ تسلط میں تھا۔ تحریک خلافت کا دور تھا۔ شاہ جی اس علاقہ میں انگریز اور اس کے نمک خواروں کے آہنی حصار کو ضرب یدُاللّٰہی سے پاش پاش کرنے کیلئے آئے تھے، لیکن عوام الناس اس حد تک وڈیروں سے مرعوب تھے کہ شاہ جی کو تقریر کے لیے شہر میں جگہ نہ مل سکی۔ حافظ سعد اللہ مرحوم کو علم ہوا تو وہ آپ کو اپنی مسجد (پیراں والی) میں لے آئے اور اپنی صدارت میں شاہ جی کی تقریر کرائی۔ اسی تقریر کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد یہاں حریت پسندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کسی کے روکے نہ رک سکا۔ شاہ جی کے ساتھ یہ تعلق ہمیشہ کے لیے استوار ہو گیا۔ میرے ماموں جناب رفیق غلام ربانی نے بعد ازاں مولانا محمد گل شیر شہید کے ایماء و ترغیب پر ۱۹۴۲ء میں مقامی سطح پر مجلس احرار اسلام کا قائم کی۔ اب الحمد للہ یہ تعلق و رشتہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم ہے۔ حضرت ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ تلہ گنگ میں غالباً ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ حضرت کا استقبال بھی دیدنی تھا۔ پورا شہر آپکی زیارت کے لیے امڈ آیا تھا۔ چینجی چوک پر بعد از عشاء آپ کی تقریر ہوئی۔ پھر سالوں آپ تشریف نہ لا سکے۔ لیکن اس درمیانی

عرصے میں حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے پے در پے بلا مبالغہ سینکڑوں دورے کیے اور علاقہ بھر میں دینی جذبہ بیدار کیا، جس کی بدولت بدعات و رسومات کا ریلا رک گیا اور وڈیروں کا خوف عوام کے دلوں سے نکل گیا۔

حضرت ابو ذر بخاری طویل مدت کے بعد ۱۹۸۲ء میں راولپنڈی اور تلہ گنگ کے دورہ پر تشریف لائے۔ تلہ گنگ میں آپ کا قیام جناب رفیق غلام ربانی کے ہاں تھا۔ آپ نے مسجد تریڑاں والی میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا، موضوع تھا۔ "دشمن خدا، دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمن ازواج اصحاب رسول علیہم اجمعین الرضوان کے علاوہ ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے" میری آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کا یہ پہلا موقع تھا، جب آپ کی زیارت اور رفاقت کا شرف نصیب ہوا۔ جب آپ کا تلہ گنگ سے راولپنڈی کے سفر کا نظم بن رہا تھا تو آپ نے ماموں جان سے راولپنڈی چلنے کے لیے کہا میں نے فوراً کہا کہ شاہ جی میں بھی آپ کے ساتھ راولپنڈی جاؤں گا۔ فرمایا کہ پہلے گھر سے پوچھ کر آؤ۔ میں نے کہا کہ میں نے پہلے سے گھر والوں کو بتا رکھا ہے۔ فرمانے لگے! نہیں بتانا نہیں پوچھ کر آنا ہے۔ میں تو اس عمر میں بھی اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھ کر اپنے سفر کا نظم بناتا ہوں۔ گھر سے مجھے جانے کی اجازت مل گئی تو میں دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ گویا میرے لیے سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے۔ پوچھا اجازت مل گئی؟ میرے اثبات میں جواب سے بہت خوش ہوئے اور محترم ماموں جان، مولانا غلام یٰسین جہلمی اور احقر آپ کے ہمراہ بذریعہ بس راولپنڈی روانہ ہوئے۔ احرار کے نامور مجاہد صوفی عنایت محمد پسروری کے فرزند صوفی غلام نقشبند مرحوم کے گھر "صوفی منزل" محلہ عید گاہ میں ہمارا قافلۂ احرار لنگر انداز ہوا۔ (صوفی عنایت محمد پسروری تحریک مسجد شہید گنج کے دوران مولانا ظفر علی خان کی "نیلی پوش" میں شامل تھے اور پیر جماعت علی شاہ صاحب کے مرید تھے۔ صوفی غلام نقشبند کا نام بھی پیر صاحب نے ہی رکھا تھا۔ تحریک کے دوران حقائق سے با خبر ہوتے ہی صوفی عنایت محمد صاحب شورش کاشمیری مرحوم کے ہمراہ احرار میں شامل ہو گئے۔ راولپنڈی میں ہفتہ بھر کا پروگرام تھا۔ برادرم رفیق اختر ان دنوں بارانی ایگریکلچرل کالج میں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے مقامی جماعت کے رہنماؤں کے ساتھ مل کر یہ پروگرام ترتیب دیا تھا۔ شہر میں دروس قرآن کی دھوم مچ گئی۔ اتنے بڑے اجتماعات پھر کم ہی دیکھنے میں آئے۔ مغرب کے بعد مرکزی لال مسجد اسلام آباد میں درس قرآن مجید کا انعقاد ہوا۔ مسجد کے باہر لان میں شاہ جی نے طویل درس قرآن مجید دیا۔ دوران درس، ایران کے سفیر ابو شریف زمانی بھی آخری صفوں میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ شاہ جی ایران کی مجوسیت کا حوالہ دے رہے تھے کہ ابو شریف زمانی نے صاف اردو میں با آواز بلند کہا کہ "مولانا ایران میں مجوسیت نہیں اسلام ہے"۔ مقصد درس کو روکنا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو سفیرِ ایران کی مرعوبیت کا شکار ہو سکتا تھا۔ وہ تو ابوذر بخاری تھے۔ جو سچی بات منہ پر کہہ دینے کے خوگر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ "اللہ کرے ایران میں اسلام آ جائے۔ میں تو خمینی سے صدیوں پہلے کے ایران کی بات کر رہا تھا۔ خیر......!" اس ایک جملے کے بعد آپ نے شیعہ اور شیعیت کی بجائے سبائی اور سبائیت کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے ایران کی اسلام دشمنی اور رافضیوں کی اندرون خانہ سازشوں کو بے

نقاب کیا۔ درس کے خاتمہ پر ابو شریف زمانی نے آپ سے مصافحہ کیا اور کہنے لگے کہ آپ نے ایران کے بارے میں جو کچھ کہا وہ صحیح نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا جو میں صحیح سمجھتا ہوں اس کا اظہار کر دیا ہے۔ اسی دوران ایک نوجوان نے "لعنت بر خمینی" کا نعرہ بلند کیا تو آپ نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ آپ نے بعد میں اپنی رہائش گاہ پر فرمایا کہ میں اس کے سوال کے انداز سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ اس لیے اسے براہ راست مخاطب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ بہر حال جو بات کہنا تھی کہہ دی۔

شاہ جی نے جامعہ سراجیہ نظامیہ میں خطبۂ جمعہ دیا بعد میں لوگ ملنے کے لیے آئے تو گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی وجہ سے جمعیت علماء ہند کا جلسہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ابا جی نے جلسے کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالی۔ لاہور میں جلسہ منعقد ہوا۔ احرار کارکن حفاظتی فرائض انجام دے رہے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر جاری تھی کہ کسی شرپسند نے جلسہ خراب کرنے کیلئے مسلم لیگ زندہ باد کا نعرہ بلند کیا۔ ابا جی سٹیج پر تھے فوراً مائیک پر آئے اور احرار رضا کاروں سے کہا کہ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ کلہاڑیاں سروں سے بلند ہوئیں اور شرپسند پٹ کر زمین پر لوٹنے لگا۔ ابا جی نے حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت جہاں سے تقریر روکی تھی وہیں سے شروع کیجئے۔ پھر جلسہ کے آخر تک کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ مولانا چراغ الدین شاہ مہتمم جامعہ نے سوال کیا کہ حضرت شرپسند اگر مارا گیا ہو تو اسکی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ تو شاہ جی نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ بھائی باغی کی سزا یہی ہوتی ہے ناں!

۱۹۸۳ء کا سن تھا۔ میں میٹرک کے امتحان سے فارغ ہو چکا تھا۔ میرے سر میں حفظ قرآن مجید اور حصول علم کا سودا سمایا ہوا تھا۔ میں نے شاہ جی کی خدمت میں خط لکھا کہ میں جامعہ خیر المدارس (ملتان) میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ چونکہ خیر المدارس کی تعریف شاہ جی سے سن سن کر یہ شوق پیدا ہو گیا تھا کہ پڑھنا ہے تو خیر المدارس میں ہی پڑھنا ہے۔ اس دوران یہاں تلہ گنگ میں محترم قاری جاوید اقبال صاحب سے پانچ پارے حفظ کر چکا تھا۔ شاہ جی کا جواب آیا کہ اگر ارادہ پکا ہے تو آ جاؤ۔ میں ماموں جان کے ہمراہ ملتان روانہ ہوا۔ رات شاہ جی کے ہاں قیام کیا۔ صبح شاہ جی نے تانگہ منگوایا اور ہم خیر المدارس پہنچ گئے۔ مدرسہ کے اساتذہ و کارپرداز بڑی محبت و عقیدت سے پیش آئے۔ خیر المدارس کے احاطے میں شاہ جی کی ہمشیر (محترمہ سیدہ ام کفیل بخاری صاحبہ) نے بچوں کی تعلیم کے لیئے عارضی رہائش کے طور پر کرایہ پر مکان لے رکھا تھا۔ شاہ جی کچھ دیر کے لیے وہاں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد آئے تو ان کے ہمراہ ۱۰،۱۱ سال کا ایک نو عمر بچہ بھی تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ شاہ جی کے بھانجے ذوالکفل بخاری ہیں۔ یہیں بھائی ذوالکفل سے میرا پہلا تعارف ہوا۔ ان دنوں آپ پانچویں یا چھٹی کلاس میں تھے۔ خیر المدارس کے ایک کمرہ میں محفل جمی تو مدرسہ کے خازن مولانا سخی محمد صاحب نے بھی اپنا ایک شعر سنایا۔ جبکہ شاہ جی نے فیض احمد فیض کے جواب میں اپنی نظم "آفتاب آئے ماہتاب آئے، سب سے آخر میں آنجناب آئے" سنائی۔ وہیں شیخ الحدیث مولانا محمد شریف کاشمیری مرحوم سے پہلی ملاقات ہوئی۔

شاہ جی نے میرے داخلے کی بابت اہل مدرسہ سے بات کی اور مجھے درجہ حفظ قرآن میں حافظ محبوب احمد صاحب کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ گھر سے دور رہنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ دوسرے دن ایک ہم سبق عبدالرؤف غبیب سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ بزرگ احرار رہنما ملک عبدالغفور انوری صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) کے نواسے ہیں اور ذوالکفل بخاری کے دوست ہیں۔ پھر ان دو احباب سے دوستی کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔

ہر جمعہ کو شاہ جی کے ہاں حاضری دیتا کہ میرا ان کے خانوادے کے سوا ملتان میں کون تھا؟ جمعہ کا دن وہاں گزار کر رات واپس مدرسہ میں آجاتا۔ ایک دن شاہ جی فرمانے لگے کہ میں رحیم یار خان کے دورہ پر جا رہا ہوں، میرا یہ رقعہ مولوی محمد حنیف صاحب جالندھری مہتمم مدرسہ کو دے دینا کہ وہ تمہیں رات میرے دفتر میں رہنے کی چھٹی لے دیں۔ میں نے رقعہ مولوی محمد حنیف جالندھری صاحب کو پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ اسے اپنے استاد کے پاس لے جاؤ، اگر وہ تمہیں اجازت دے دیں تو رات کو شاہ جی کے دفتر چلے جایا کرو۔ میں وہ رقعہ لے کر اپنے استاد حافظ محبوب صاحب کے حضور پیش ہوا، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انہوں نے رقعہ کو چھونے اور مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ جو حضرات مدارس کے ماحول سے قریبی آگاہی رکھتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ مدارس دینیہ میں اساتذہ کی ناراضی بھی بڑی عجیب و غریب ہوا کرتی ہے۔ بعد میں ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن جب میں اپنے عزیز دوست حافظ محمد سعید کے ہمراہ شاہ جی سے ملنے گیا ہوا تھا تو حافظ صاحب مجھے مدرسہ میں نہ پا کر جلال میں آ گئے تھے۔ مجھے اب تک حیرت ہے کہ مجھ سے یہ سلوک کیوں ہوا؟ جبکہ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ میرے کمرے میں رہائش پزیر طلبہ نے ریڈیو رکھے ہوئے تھے۔ وہ ہر رات باقاعدہ فلم دیکھنے جایا کرتے تھے اور رات کو اکثر غائب رہا کرتے تھے۔ کسی نے انہیں کبھی پوچھا تک نہیں۔ جب کہ میں جمعہ کو مولوی شیر محمد صاحب (نگران دارالاقامہ) سے باقاعدہ اجازت لے کر شاہ جی کے پاس جایا کرتا تھا اور رات کو مدرسہ میں ہی قیام پزیر ہوا کرتا تھا۔ آخر میرا قصور کیا تھا؟ حافظ صاحب نے میرا اور میرے دوست حافظ محمد سعید کا کھانا مطبخ سے بند کرا دیا، البتہ مہتمم صاحب کے کہنے پر رات کو دفتر جانے کی اجازت مل گئی۔ رات دفتر احرار میں گزار کر دن کو مدرسہ آجاتا، صبح دوپہر شام کھانا ہوٹل سے کھاتا۔ دس پندرہ روز کے بعد ناکردہ گناہ کی معافی مانگنے پر، حافظ صاحب کے حکم عالیہ سے ہمارا "حقہ پانی" کھول دیا گیا۔ شاہ جی کی محبت میں میں نے یہ "ظلم" بھی چپکے سے دل پر سہہ لیا اور کسی کو بھی کچھ نہ بتایا، حتیٰ کہ شاہ جی کو بھی نہیں، کہ میری وجہ سے آپ کی مدرسہ والوں سے ناچاقی نہ ہو۔ ادھر درس گاہ میں میرے حجازی لہجے کو پانی پتی لہجے میں بدلنے کے لیے ایک سال لگا دیا گیا اور مزید سبق نہ دیا گیا۔ ایک سال ضائع ہوتا دیکھ کر اور مدرسہ کے ماحول وغیرہ کے پیش نظر میرا تصوراتی شیش محل چکنا چور ہو چکا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب گھر واپس جا کر کالج میں داخلہ لوں گا۔ رمضان کی چھٹیوں میں گھر آ کر میں نے حافظ صاحب کو اپنے ارادے کی اطلاع بذریعہ خط دی اور کالج میں داخلہ لے لیا۔

شاہ جی زمانہ شناس تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر میرے دل کی کیفیات کو محسوس کر لیا تھا۔ لہذا

انہوں نے مجھے مدرسہ چھوڑنے پر کبھی سرزنش نہیں کی۔ بلکہ میرے لیے وہ ہمہ وقت دعا گو رہے اور میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں قادیان میں احرار کے اولین مبلغ مولانا عنایت اللہ چشتی مرحوم سے میرا رابطہ ہو گیا اور ان کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب "مشاہدات قادیان" کا مسودہ میں نے شاہ جی کے سپرد کیا تو انہوں نے از حد مسرت کا اظہار کیا اور کتاب کے مقدمے میں اس کا تفصیلاً ذکر کیا۔ یہ بھی ان کی عظمت تھی کہ وہ چھوٹوں کے دل بڑھانے کا اور عزت افزائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ وہ اکثر لوگوں سے میرا تعارف بیٹا کہہ کر کراتے۔ اس قربت کے سبب بعض لوگ مجھے حقیقتاً ان کا بیٹا سمجھتے۔

پھر طویل عرصے تک میں ملتان نہ جا سکا اور وہ ادھر نہ آ سکے۔ لاہور اتفاقاً جانا ہوا تو معلوم ہوا کہ شاہ جی دفتر احرار میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ برادرم محمد رفیق اختر کے ہمراہ دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ اس وقت درس قرآن مجید دے کر فارغ ہوئے تھے۔ دیر تک حال احوال پوچھتے رہے۔ ایک ایک کارکن کا نام لے کر خیریت دریافت کی۔ دوسرے دن میں نے دفتر میں ہی رات بسر کی۔ صبح اجازت لے کر جانے لگا تو فرمایا کہ تمہارے پاس "آتش ایران" ہے؟ میں نے جواب دیا "نہیں" تو کتاب بدیتہً مجھے پیش کی۔

لاہور میں شاہ جی حاجی محمد جہانگیر صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں دو تین روز ملاقات رہی۔ ایک ملاقات میں مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم بھی شریک تھے۔ شاہ جی اپنے معمولات کے سختی سے پابند تھے۔ بیماری کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن معمولات ابھی اسی طرح جاری تھے۔ کہنے لگے ملتان سے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے میں نے خادم دفتر حافظ شاہ محمد چوہان سے تاکیداً دو بار پوچھا کہ طہارت کے لیے مٹی کا ڈھیلا سامان کے ساتھ رکھ دیا یا نہیں اور جب تک آنکھوں سے دیکھ نہ لیا یقین نہ آیا۔ پھر ایک دفعہ مولانا اجمل خان کی مسجد میں ملاقات ہوئی۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ شاہ جی چند مدرسین اور طلبہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ مولانا اجمل خان شاہ جی سے بے نیاز ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ شاہ جی نے اسی محفل میں کسی کے حال پوچھنے پر کہا کہ "میاں حال کیا پوچھتے ہو؟ میر کا یہ شعر میرے حسبِ حال ہے۔

غموں کا بوجھ اٹھائے ترے فراق میں ہم
چراغ اشک جلائے ترے دیار آئے

غالباً مولوی امجد خان نے اسی وقت شاہ جی سے مکرر سن کر شعر ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

شاہ جی نے ساری زندگی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموس کی حفاظت کے لیے صرف کر دی۔ اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کرتے کہ دینی مدارس کے نصاب میں سیرت صحابہ پر جامع اور مستند کتابیں شامل نہیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں طلبہ کی اکثریت جدید فتنوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

امام سادس خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر دشمنوں کی اڑائی ہوئی گرد کو تیس برس تک صاف کرتے رہے۔ اپنوں پرایوں سے گالیاں کھائیں۔ طعنے سہے، لیکن وہ اپنی دھن میں مصروف کار رہے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ایک جلسہ میں نوابزادہ نصر اللہ خان سے ملاقات ہوئی تو میرا بیٹا سید محمد معاویہ بخاری بھی ساتھ تھا۔ نوابزادہ صاحب نے بیٹے کا نام پوچھا تو میں نے نام بتایا وہ کہنے لگے...... اے تیکوں

خراب کریسی، ایندا ناں بدل چھوڑ (تجھے خراب کرے گا، اس کا نام تبدیل کر دو) - بلکہ ایک دفعہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بتایا کہ ان سے ملاقات ہوئی، بچے کا نام پوچھا تو میرے بتانے پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس کے علاوہ آپ کو کوئی نام نہیں ملا۔ لیکن شاہ جی کو بھلا ایسی باتوں کی کب پروا تھی۔ وہ اپنی لگن میں ناموس معاویہ کے تحفظ کی خاطر ہر صعوبت برداشت کرنے کو تیار تھے۔ ملتان میں پہلے یوم معاویہ کے انعقاد پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا تو فرماتے تھے کہ جیل میں، میں نے ستر اشعار پر مشتمل قصیدہ بحضور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لکھا - کاغذ قلم کی اجازت نہ تھی، میں نے کوئلہ سے جیل کی کوٹھڑی کی دیواروں پر لکھ ڈالا۔ رات سیدنا معاویہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر تبسم تھا۔ مجھے اطمینان قلب ہوا کہ میری جدوجہد پر حضرت معاویہ بھی خوش ہیں۔

اسی یوم معاویہ پر شورش کاشمیری برہم ہوئے تھے اور انہوں نے چٹان میں "سید ابوذر بخاری کا نیا اشتعلہ" کے عنوان سے اداریہ گھسیٹ ڈالا۔ جبکہ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسحٰق سندیلوی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "تجدید سبائیت" کے دیباچے میں سید مودودی پر تنقید کرتے ہوئے فقرہ لکھا تھا کہ "ہمارے قبلہ جانشین، امیر شریعت سید عطاء المنعم ابوذر بخاری مدظلہ ناموس معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحفظ کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ ادھر مودودی نے صحابہ کرام کی لٹیا ہی ڈبو دی"۔

صحابہ کرام کے خلاف شاہ جی کبھی کسی قریبی دوست کی اشارہ یا کنایہ میں کہی گئی بات کو بھی معاف کرنے کے روادار نہ تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ایک ریلوے سٹیشن پر ممتاز شیعہ رہنما (جو تبرہ باز بھی تھے) مظفر علی شمسی دونوں ہاتھ پھیلائے معانقے کیلئے میری جانب بڑھے لیکن میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں دشمن صحابہ سے معانقہ کروں - لہذا میں نے انکار کر دیا۔ چکوال کے قاضی مظہر حسین صاحب نے اکابر کے نام پر، صحابہ کرام کو اور بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تو آپ نے خیر المدارس ملتان کے جلسہ میں قاضی صاحب کو منہ توڑ جواب دیا۔ فرماتے تھے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ قاضی صاحب کو تحریری جواب نہیں دینا - ان کا تو قلمی مناظرہ بازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے، وہ لگے رہیں۔ قاضی صاحب کے متعلقین ان کو وکیل صحابہ لکھا کرتے ہیں - شاہ جی ایک دن ترنگ میں تھے، فرمانے لگے کہ اگر وہ وکیل صحابہ ہیں تو کیا ہم جہنم کے داروغے ہیں؟

ایران کا انقلاب خمینی کے ذریعے برپا ہوا تو شاہ جی فرمانے لگے کہ ہمارے دین کی رو سے اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن جیسا مذہبی انقلاب لانا چاہیئے، وہ خمینی اپنے مذہب کے رو سے صحیح لایا ہے۔

ایران، کینیڈا، فرانس وغیرہ سے ایرانی لٹریچر شاہ جی کو ڈاک کے ذریعے بھیجا جاتا تھا لیکن ایرانیوں کے بغض کا اندازہ لگایئے کہ وہ شاہ جی کے نام میں "معاویہ" کی وجہ سے ایڈریس میں نام کی بجائے آفس مجلس احرار اسلام ملتان لکھا کرتے تھے۔ شاہ جی لٹریچر کو اٹھا کر ایک نظر دیکھتے اور پھر رکھ دیتے۔

طبری کے متعلق فرماتے تھے کہ طبری شیعہ تھا۔ میں نے تاریخ طبری میں پڑھا ہے کہ طبری نے حضرت معاویہ کا نام لے کر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے۔

بعض لوگ شاہ جی کو علامہ محمود عباسی سے متاثر سمجھتے تھے اور اسی بناء پر بعض ستم پیشہ انہیں خارجی کہنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ لیکن خود شاہ جی نے مجھے بتایا کہ میں نے علامہ عباسی کے علم اور بزرگی کا ہمیشہ احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے چار چار گھنٹے بحث کی۔ ایک دفعہ میں نے انہیں کہا کہ عم محترم! آپ نے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنھم کے متعلق فلاں فلاں مقام پر نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا، ہمارے لیے تو وہ لائق تعظیم ہی نہیں واجب الاحترام ہیں۔ تو عباسی مرحوم کہنے لگے شاہ جی مجھے آج تک کسی نے اس انداز میں نہیں کہا۔ جو بھی اُٹھا، خارجی، نیچری، یزیدی سے کم القاب استعمال کیے بغیر اسے تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے یہ سب کچھ ردِ عمل کے طور پر لکھا ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں آپ یہ الفاظ نہیں پائیں گے۔ لیکن پھر موت نے انہیں مہلت ہی نہ دی کہ وہ نظر ثانی کر سکتے۔

غالباً اماں جی کی وفات پر، بہت سے احباب، محمد رفیق اختر، عبداللطیف چیمہ، عباس نجمی، شاہد کاشمیری، ارشد بخاری، کفیل بخاری اور احقر، شاہ جی سے ملنے اور اظہار تعزیت کے لیے ان کے مکان پر گئے۔ شاہ جی نے ہم سب کو اکٹھا دیکھا تو خوش ہو گئے۔ باتوں کا سلسلہ بڑھا تو وہ اپنے پسندیدہ موضوع سیرت اصحاب و ازواج رسول علیھم الرضوان پر آ گئے۔ بھائی سید محمد کفیل بخاری کو خصوصاً اور ہم سب کو فرمانے لگے کہ عزیزان محترم! یاد رکھو، صحابہ کرام کی مغفرت چھے حوالوں سے ثابت ہے۔ میری یہ بات لکھ لو تمہیں کام دے گی۔ جس پر بھائی کفیل بخاری نے فوراً اسے نوٹ کر لیا۔ بعد میں عباس نجمی کہنے لگے کہ آج چودہ برس کے بعد شاہ جی سے ایسی بھرپور نشست مجھے سننے کو ملی ہے۔

شاہ جی نے احرار کارکنوں میں دینی غیرت بیدار کی اور خود بھی مرتے دم تک احرار میں رہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے دورانِ تعلیم خیر المدارس جالندھر میں مجلس احرار کا فارم پر کیا تھا، وہ میرے پاس محفوظ ہے اور میں نے اہلیہ سے کہ رکھا ہے کہ میں مر جاؤں تو وہ فارم میرے کفن میں رکھ دینا تاکہ میں روز قیامت اپنے اکابر کے سامنے سینہ تان کر کہہ سکوں کہ انا الاحرار من المھد الی اللحد (میں گود سے گور تک احرار میں رہا)۔ ایک روز پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ احرار چھوڑ دو اور جمعیت میں آ جاؤ تو میں تمہیں مغربی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ بنا دیتا ہوں میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ مولانا احرار ہماری ماں ہے۔ اور جو بچہ اپنی اصلی ماں کو چھوڑ کر کسی اور کو ماں قبول کر لے آپ ہی فرمائیں کہ اسے کیا کہا جائے گا۔ اس پر مولانا فوراً خاموش ہو گئے۔

شاہ جی نے اکابر احرار کا مشن نہیں چھوڑا بلکہ دم واپسیں تک اسکی تکمیل کے لیے مضطرب اور متحرک رہے۔ ان کی مسلسل محنت ہی کی وجہ سے آج مجلس احرار اسلام کا وجود باقی ہے۔ ایک دفعہ ملنے کے لیے ملتان حاضر ہوا تو مولانا محمد علی جالندھری، مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس احرار اسلام کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگے۔ بلکہ فرمایا کہ یہ واقعات لکھ لو۔ تمہیں کہیں سے نہیں ملیں گے۔ افسوس کہ میں نے حافظہ پر انحصار کیا اور بیشتر واقعات بھول چکا ہوں۔

ایک دفعہ بتایا کہ ۱۹۷۰ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے ملاقات کا

سلسلہ شروع کیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھے ملنے کے لیے دفتر احرار لاہور آرہے ہیں۔ تو میں نے احباب سے کہدیا کہ اسے کہ دو کہ ہم بکاؤ لوگ نہیں ہیں اور نہ ہی وقتی سیاست و اتحاد ہمارا مطمح نظر ہے۔ اسے کہو کہ وہ یہاں نہ آئے اگر وہ آیا تو میں دروازہ بند کرلوں گا اور اس سے نہیں ملوں گا۔ غالباً اس تک میرا پیغام پہنچ گیا اور پھر اس نے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ فرمانے لگے کہ انہی دنوں میں نے لاہور میں جلسہ کیا۔ احرار کارکنوں نے ایک پمفلٹ چھاپا۔ جس میں میرا ایک شعر بھی تھا۔ کسی کارکن نے وہ پمفلٹ بھٹو کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے ایک نظر دیکھ کر فوراً پتلون کی جیب میں اڑس لیا۔ شام کو جب بی بی سی کے نمائندہ نے بھٹو سے ملکی صورت حال پر تبصرہ کرنے کیلئے کہا تو اس نے جیب سے پمفلٹ نکال کر کہا کہ اس سے بہتر کیا تبصرہ کر سکتا ہوں اور ساتھ ہی میرا شعر پڑھ دیا۔ (افسوس کہ وہ شعر یاد سے نکل گیا)۔ فرمایا کرتے تھے کہ آج ابا جی ہوتے تو خوش ہوتے اور میرا حوصلہ بڑھاتے کہ تو کام ٹھیک کر رہا ہے۔ وائے افسوس کو اب تو حوصلہ افزائی کے دو بول کہنے کی بھی کسی کو توفیق نہیں ہے۔ شاہ جی جب بھی لاہور جاتے، جمعہ کی نماز جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ میں ادا کرتے۔ مولانا عبید اللہ انور سے ان کا خاص تعلق تھا۔ ایک دفعہ میری موجودگی میں کسی شخص نے مولانا سے متعلق رائے چاہی تو فرمایا کہ بھائی فی زمانہ ان کا دم غنیمت ہے۔

شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی مولانا ابوالکلام آزاد سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ جبکہ کشمیری رہنما شیخ محمد عبداللہ سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ اسطرح بیسیوں شخصیات کی زیارت اور ملاقات کا انہیں شرف حاصل ہوا۔ البتہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو نہ دیکھ سکنے پر اظہار افسوس فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کا جب بھی ذکر آتا تو آپ حد درجہ عزت و احترام سے ان کا تذکرہ فرماتے۔ ایک دفعہ احقر اور ذوالکفل بخاری آپ سے باتیں کر رہے تھے۔ علامہ انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ چھڑا تو بھائی ذوالکفل کو خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ یاد رکھنا علامہ انور شاہ رحمتہ اللہ علیہ "محسن احرار اور محسن خانوادہ امیر شریعت" ہیں۔ ان کی عالی ظرفی تھی کہ انہوں نے ابا جی کو امیر شریعت بنایا۔

علامہ شمس الحق افغانی رحمتہ اللہ علیہ کا احترام بہت زیادہ فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے تمام علماء کرام کو ایک ایک دفعہ پھر علامہ شمس الحق افغانی سے پڑھنا چاہیئے۔ ان کے علم کے معترف تھے۔ بریلوی علما کا نام ہمیشہ احترام سے لیا۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ابا جی ہمیشہ فاضل بریلوی کا نام مولانا احمد رضا خان بریلوی کہہ کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح اہل حدیث علماء کا بھی بہت احترام کرتے تھے۔ خصوصاً مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات اور اخلاق کا تذکرہ کرتے۔

ایک مرتبہ میں نے شاہ جی سے "ابوذر" نام رکھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات پڑھی تو ان کے فقر اور سادگی نے اتنا متاثر کیا کہ میں نے عطاء المنعم کی بجائے ابوذر کا نام اختیار کرلیا لیکن اب یہ میرے ساتھ مسئلہ بن گیا ہے کہ محرم الحرام میں تین تین ناموں (عطاء المنعم، ابوذر اور ابو معاویہ) سے نوٹس آتے ہیں۔

میں ملتان سے تلہ گنگ آرہا تھا۔ ملنے کے لیے حاضر ہوا تو میرا زاد سفر دیکھ کر فرمانے لگے ہمیشہ سفر

میں سامان حسب ضرورت اور کم ہونا چاہیئے۔ میں خیر المدارس جالندھر سے امرتسر گھر آیا، سامان زیادہ تھا۔ جوانی تھی، اس لیے بار گراں محسوس نہ ہوا۔ گھر پہنچتے دیر ہو گئی، میں نے گھر والوں کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور قریب کی مسجد میں جا کر لیٹ گیا۔ لیکن سفر کی وجہ سے نیند نہ آتی تھی۔ صبح گھر آ گیا لیکن آئندہ کے لیے سبق مل گیا۔ رات کو سفر کرنے سے ہمیشہ منع فرماتے اور خود بھی رات کا سفر پسند نہیں کرتے تھے۔ طویل سفر کا پروگرام ہوتا تو بستر ہمراہ رکھتے تاکہ میزبان کو تکلیف نہ ہو۔ فرمایا کہ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا۔

گرمیوں میں پانی بہت ٹھنڈا پیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ لوگ پانی میں برف ڈالتے ہیں اور میں برف میں پانی ڈال کر پیتا ہوں۔ تلہ گنگ میں جون کے مہینے میں تشریف لائے تو زیادہ ٹھنڈے پانی کا اہتمام فوراً نہ ہو سکا۔ کہنے لگے، بھائی فی الحال ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں تو جنوری فروری میں ٹھنڈا پانی پی چکا ہوں۔ بزرگ احرار رہنما مولانا عبدالرحمن میانوی رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر آپ کو ملی تو مجھے فرمانے لگے کہ رات خواب میں مولانا کو ہوائی جہاز کی دم کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا میں نے دیکھا کہ جہاز آسمان کی طرف پرواز کر رہا ہے اور مولانا چیخ پکار کر رہے ہیں۔ آنکھ کھلی تو طبیعت بوجھل ہو گئی اور میں نے یہی خیال کیا کہ مولانا کی وفات ہو گئی ہے۔ اسی قسم کا ایک خواب تبلیغی جماعت کے حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی موت کے متعلق بتایا تھا۔ تفصیلات اب یاد نہیں ہیں۔ فرماتے تھے کہ خواب دیکھ کر صبح بیدار ہوا تو طبیعت انتہائی مغموم تھی۔ اماں جی نے پوچھا حافظ جی کیوں پریشان ہو؟ میں نے عرض کیا کہ لگتا ہے مولانا محمد یوسف کا انتقال ہو گیا۔ آخر کار وہی ہوا اور ان کو مولانا کی وفات کی خبر آ گئی۔

ایک دفعہ بتانے لگے کہ چنیوٹ سے ملتان تک لیاقت بلوچ (جماعت اسلامی کے رہنما) میرے ہم سفر رہے وہ ان دنوں اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ تھے۔ میں انہیں ساتھ گھر لایا اور "تاریخ احرار" انہیں دی۔ میں ان کے نانا کی گود میں امرتسر میں کھیلتا رہا ہوں (اس سفر کی تفصیلات "الاحرار" میں بھی انہوں نے چھاپ دی تھیں)

فرمایا کہ تقسیم کے بعد اباجی کے کسی مرید نے مجھے غالباً چھبیس (۲۶) روپے بطور ہدیہ پیش کیے تو اباجی پاس ہی بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے کہ یہ رقم والدہ کو جا کر دے دو، وہ خوش ہو جائیں گی۔ میں نے حسب الحکم پیسے والدہ کی خدمت میں پیش کر دیے لیکن انہوں نے فوراً یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ بیٹا یہ تمہارا حق ہے، تم انہیں اپنے پاس رکھ لو اور انتہائی خوش ہو کر مجھے دعاؤں سے نوازا۔ اسی رقم سے میں نے کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور پھر اللہ کے فضل سے کبھی رزق کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

شاہ جی تقویٰ میں قرن اوّل کے مسلمانوں کی یادگار تھے۔ ان کے تقویٰ و بزرگی کا تمام حلقوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ مجلس احرار کے مدارس و مساجد کے لیے زکوٰۃ صدقات اور عطیات کی مدات اور ان کی تقسیم کے بارے میں حد سے زیادہ محتاط تھے۔ کپڑے کے بٹوے میں تین خانے بنے ہوتے تھے۔ کرنسی نوٹوں پر مد لکھ کر علیحدہ علیحدہ خانے میں ڈال دیتے۔ راولپنڈی کے سفر سے ملتان واپسی پر فرمانے لگے کہ رات

پھر مجھے نیند نہیں آئی کہ یہ پندرہ پیسے فالتو کہاں سے آ گئے ہیں، تو آپ کے خادم خاص نے یاد دلایا کہ راستے میں اخبار خرید ا تھا یہ بقایا پیسے اخبار والے نے دیے تھے۔ تب جا کر اطمینان ہوا اور انہوں نے فوراً روزنامچے میں درج کر لیا۔

تلہ گنگ تشریف لانے پر مجھے کہا کہ گھر سے دھوتی لے آؤ اور غسل دھوتی باندھ کر کیا۔ غسل ہمیشہ باپردہ کیا کرتے تھے۔

ایک دوست کے پوچھنے پر بتایا کہ ایک دفعہ حج بیت اللہ کے لیے درخواست دی تھی، لیکن جب منظوری آ گئی تو اباجی شدید بیمار ہو گئے اور میں ان کی نازک حالت کی وجہ سے حج پر نہ جا سکا۔

پردہ کی پابندی خود بھی کرتے اور متعلقین کو بھی سختی سے ہدایات کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "سید ابو الاعلی مودودی کی کتاب "پردہ" بہت اچھی کتاب ہے۔ لیکن افسوس کہ "صاحب پردہ" کے گھر میں پردہ نہیں ہے"۔

اپنے بارے میں بتایا کہ جب میں سن بلوغت کو پہنچا تو اپنے ماموں کے گھر جانا بند کر دیا۔ ایک دن اتفاقاً قصائی کی دکان پر گوشت لیتے ہوئے ماموں سے ملاقات ہو گئی۔ تو انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا کہ تم اب ہمارے گھر نہیں آتے۔ تو میں نے دبے لفظوں میں کہہ دیا کہ ماموں جان اب آتے ہوئے شرم آتی ہے"...... اب تو شرم وحیاء کے یہ قصے داستان پارینہ بن چکے ہیں۔ بے حیائی اور بے حجابی کا طوفان ہماری نسل نو کو تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچا چکا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ دینی اقدار کی پامالی اور کافرانہ تہذیب کی اندھا دھند نقالی ہے۔

شاہ جی وسیع المطالعہ شخص تھے۔ کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہ تھی جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو۔ فرماتے کہ میں نے لینن، ماؤ، مارکس اور ہیگل کے فلسفہ کو کئی کئی راتیں جاگ کر پڑھا ہے اور تب اس پر برسرعام گفتگو کی ہے۔ عربی اور فارسی ادب کا مطالعہ شاید ہی کسی نے ان سے بڑھ کر کیا ہو۔ دین، تاریخ اور ادب نہ صرف پڑھا بلکہ بے نظیر حافظہ کی خداداد صلاحیت سے آخری عمر تک ہزاروں لاکھوں لوگوں تک منتقل کیا۔ آپ نے خود زیادہ کتابیں نہیں لکھیں لیکن تقریر کے ذریعے لاکھوں افراد کو علمی مسائل سے روشناس کرایا۔ جو درحقیقت آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قادر الکلام شاعر بھی بنایا تھا۔ اس صنفت عظیمہ سے آپ نے بھرپور کام لیتے ہوئے ملحد و بے دین شاعروں کا ناطقہ بند کیے رکھا۔ فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی اور احمد فراز کے جواب میں انہی کی زمینوں اور بحروں میں منظوم جواب لکھا۔ بلکہ فرماتے تھے کہ احمد ندیم قاسمی نے دین اسلام پر سب سے زیادہ طعن و تشنیع کی ہے، اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس نے اگر ایک نظم لکھی تو میں دو نظمیں لکھوں گا۔ آپ نے اپنی ہمشیر سیدہ ام کفیل بخاری کے ساتھ مل کر ایک ادبی پرچہ "مستقبل" کا ملتان سے اجراء کیا جس نے اشترا کی کوچہ گردوں کو لگام دی۔ جگر مراد آبادی مرحوم حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں آنے سے پہلے رند بلا نوش تھے، اور ڈاکٹروں نے جگر صاحب کو ہدایت کر رکھی

تھی۔ کہ شراب نہ چھوڑنا، ورنہ مر جاؤ گے۔ لیکن انہوں نے حضرت رائپوری کی بیعت کے بعد ام الخبائث سے یکسر ہاتھ اٹھا لیا۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ لاہور میں جگر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کے بارے میں شورش کاشمیری نے لکھا تھا کہ جگر کے پسینے سے بھی شراب کی بو آتی ہے کیا یہ حقیقت تھی؟ جگر نے جواب دیا "ارے شاہ جی! اس سے بھی کہیں زیادہ"!

شاہ جی خود اچھے شاعر تھے اور ہر اچھے شعر پر کھل کر داد دیتے تھے۔ جب کوئی انہیں اپنے بے وزن اشعار سنا کر داد وصول کرنا چاہتا تو ان کی ظریفانہ رگ پھڑک اٹھتی اور حاضرین مجلس لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ ایک دفعہ احقر ان کے پاس بیٹھا تھا کہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا محمد صدیق ولی اللہی تشریف لے آئے۔ مولانا باقاعدہ شاعر نہیں ہیں اور نہ ہی شاعری ان کا میدان ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار شاہ جی کو سنانا چاہے تو شاہ جی نے کہا "چھوڑیئے مولانا! آپ نے تو ارائیوں والے اشعار سنانا شروع کر دیئے (اشارہ مولانا کی قوم اور مولانا محمد علی جالندھری مرحوم کی "شعر خوانی" کی طرف بھی تھا)۔ اس پر خود مولانا اور حاضرین مسکرا کر رہ گئے۔

ایک مرتبہ شاہ جی بیٹھک میں بیٹھے تھے ان دنوں آپ کے ہاں مجذوبوں کا جمگھٹا تھا۔ آپ کہنے لگے شاید سارے زمانے کے مجازیب میرے حصے میں ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے خود ہی یہ شعر کہا تھا کہ.......

جو بھی مجذوب ہے زمانے میں
ہم فقیروں کا یار بیلی ہے

تو فوراً کہنے لگے۔ نہیں نہیں میں نے ہرگز یہ شعر ایسوں کے لیے نہیں لکھا تھا۔

شاہ جی نے بتایا کہ بچپن میں، میں نے ایک نعت لکھی تھی۔ جس میں یہ آرزو کی تھی کہ اے کاش ہم بھی مدینے جائیں اور خاک در رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمۂ چشم بنائیں۔ خود تو مدینہ منورہ حاضر نہ ہو سکا۔ لیکن ایک ساتھی نے جناب محمد کریم علیہ السلام کی قبر مبارک کی تھوڑی سی مٹی لا کر دی۔ میں نے جب اسے بطور سرمہ آنکھوں میں لگایا تو کیا بتاؤں کہ میرے دل و دماغ کے سرور کی کیا کیفیت تھی...... اسی پر ایک واقعہ یاد آیا، جس کے راوی میرے والد محترم ہیں کہ ۱۹۷۰ء میں لیاقت باغ راولپنڈی میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں شاہ جی نے عشاء تا اذان فجر خطاب کیا۔ تقریر میں سراسر سیاسی حالات کا تجزیہ تھا۔ لیکن سامعین نے جم کر ساری رات آپ کی تقریر سنی۔ ایک جلوس بھی نکالا گیا جب جلوس مولانا غلام اللہ خان کی مسجد کے قریب پہنچا تو مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے مسجد کی چھت سے شرکاء جلوس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں اور نیچے آ کر شاہ جی سے مسجد میں آنے کیلئے کہا لیکن آپ نے انکار کر دیا یہ انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع موتی کے مسئلہ پر جمعیت اشاعت التوحید کے امت مسلمہ سے اختلاف کی بنا پر تھا۔ مولانا نے بار بار شاہ جی کو اپنی سالانہ کانفرنسوں پر دعوت خطاب دی۔ لیکن آپ راولپنڈی میں اکثر آمد ورفت

کے باوجود اپنے مؤقف کی مضبوطی کی بناء پر ڈبال نہ گئے۔

۱۹۹۲ء میں شاہ جی سے آخری ملاقات ہوئی۔ جب میری کتاب "مولانا محمد گل شیر شہید... سوانح و خدمات" اشاعت پزیر ہوئی تو کتاب پیش کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ بھائی سید محمد کفیل بخاری بھی میرے ہمراہ تھے۔ اس کے بعد میں ملتان نہ جا سکا۔ البتہ شاہ جی سے خط و کتابت کے ذریعہ سے ان کی صحت و حالات کا علم ہوتا رہا۔ ایک خط میں شاہ جی نے لکھا کہ...... "اسے میرا آخری خط سمجھنا اور میری خطاؤں اور میرے گناہوں کو معاف کر دینا"۔

خط کا نفس مضمون ہی ایسا تھا کہ دل مسوس کر رہ گیا۔ زندگی سے اتنی ناامیدی ان میں کبھی نہ دیکھی تھی۔ فی الواقع یہ ناامیدی نہ تھی بلکہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اب پیمانۂ عمر چھلکنے والا ہے۔ شاہ جی کا یہ خط آخری خط ہی ثابت ہوا۔ اس کے بعد مختلف احباب کی زبانی ان کی طویل علالت کے حالات کا علم ہوتا رہا۔ میں مسائل و حالات میں ایسا پھنسا کہ ان کی عیادت کیلئے بھی نہ جا سکا۔ ناگاہ ایک رات مقامی احرار رہنما ملک محمد صدیق نے دروازے پر دستک دی۔ باہر نکلا تو انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں شاہ جی کی رحلت کی خبر دی۔ یہ غمناک خبر سن کر کلیجہ منہ کو آ گیا۔ اور آنکھوں کے سامنے گزشتہ واقعات کی تصویریں متحرک ہو گئیں کہ وہ عظیم شخص جو تمام عمر طاغوتی قوتوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔ بے سرو سامانی اور تہی دامانی کے باوجود کمیونسٹوں، ملحدوں، رافضیوں، مرزائیوں، پرویزیوں، اور جمہوریت زادوں کے خلاف مجاہدانہ لڑتا رہا اور کبھی ہار نہ مانی وہ فقیر منش انسان جو فاقے کاٹ کاٹ کر ظالم جاگیرداروں، سرمایہ پرستوں اور وڈیروں سے ٹکراتا رہا۔ لیکن کبھی کوئی اسے خرید نہ سکا اور نہ کوئی جھکا سکا۔ وہ مرد دلاور جو اکابر کے مسلک و عقیدہ کے تحفظ کی خاطر اپنوں سے بھی ٹکراتا رہا۔ اور میدان وغا میں سینہ تان کر کھڑا رہا۔ شہرت و ناموری کو حصول عقائد پر تج کر، استقامت کا کوہ ہمالہ بن کر، غیرت و حمیت اور شجاعت و دلاوری کا نشان عظیم بن کر مصائب میں بھی خندہ زن رہا۔ لیکن آج موت کے ہاتھوں جان ہار گیا۔

تمہیں اہل دل کی خبر نہیں کہ جہاں میں گنج لٹا گئے
یہ گداگران دیار غم، یہ قلندرانِ تہی کدو

رات کو ہی عازم ملتان ہوا۔ لیکن غم زدہ و ملول، دل شکستہ اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ ملتان پہنچا بھائی کفیل بخاری، ذوالکفل اور محسن شاہ جی مدظلہ غم سے نڈھال مگر مجھے دلاسہ دے رہے تھے۔ دار معاویہ پہنچا تو برادران محمد معاویہ بخاری اور محمد مغیرہ بخاری اپنے تاریخ ساز والد کی وفات پر اشک رواں کے ساتھ ملک کے اطراف واکناف سے آنے والے سوگواروں کی تواضع میں مصروف تھے۔ برادرم سید محمد معاویہ بخاری مجھے اور حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کو شاہ جی کا رخ انور دکھانے کے لیے اندر لے گئے۔ لیکن وہاں میرے ممدوح شاہ جی نہ تھے وہ کبھی یوں خاموشی سے نہ لیٹے تھے۔ وہ چہرہ شاہ جی کا نہ تھا۔ وہ تو مجھے دیکھتے ہی

فرماتے تھے "فاروق بیٹا خیریت سے پہنچ گئے" میرے شاہ جی کہاں گئے۔ میں بہتی آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ مجھ سے بے نیاز یوں لیٹے تھے کہ اب ایک ہی دفعہ حشر کو اٹھنے کا عزم تھا۔ کہ یہ بھی کوئی ساتھ ہے؟ دنیا کا چند روزہ، عارضی، وقتی اور ناپائیدار ساتھ! اب فاروق بیٹا ہمیشہ وہاں ساتھ رہیں گے۔ لیکن شاہ جی آپ خود چلے گئے، مجھے لے کر کیوں نہ گئے۔ پہلے تو ہر سفر پر مجھے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتے تھے۔ لیکن وہ تو ان باتوں کا جواب بہت عرصہ پہلے دے چکے تھے......

میں چلا جاؤں گا آخرت کی طرف، میرے غم کی نہایت بھی ہو جائے گی
سوچتا ہوں کہ کیا ان پہ بیتے گی جو، وقف تھے خندۂ پُر شرر کے لئے
زندگی کٹ گئی راہ کو دیکھتے، منتظر ہم رہے راہ بر کے لئے
اتنی لمبی شبِ غم گزاری مگر، صرف اک لحۂ مختصر کے لئے

## ہماری دعوت

★ ہماری دعوت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اپنے اصول و حقوق کے مکمل دینی، قانونی اور سیاسی تحفظ کی خاطر ہر مصلحت، لالچ اور خوف سے بے پرواہ ہو کر اجتماعی جدوجہد کے لیئے اٹھ کھڑے ہوں! کیونکہ؟

★ مروت کی ایک حد ہوتی ہے "رواداری" اور "بے غیرتی" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اندھی اور غیر مشروط رواداری "یہودیت و سبائیت" کے دودھ سے پلا ہوا وہ طویل العمر، زہر ناک اور خونی اژدھا ہے جس نے اہل سنت کی بے شمار نسلوں کو موت کی نیند سلا دیا اور ظاہر ہے کوئی ہوش مند کھلی آنکھوں "حرام موت" مرنا ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔

★ ہم غیروں سے کچھ چھیننا نہیں چاہتے بلکہ صرف اپنے اصول و عقائد کی تبلیغ، عبادات و شعائر کے بقاء اور تمام اکابر کی یاد منانے اور ان کے فضائل و مناقب کی اشاعت و تشہیر نیز ان کے احترام و تعظیم کیلئے مکمل تحفظ کے سلسلہ میں اپنے غصب شدہ حقوق کی بازیابی و بحالی ہمارا مطمح نظر ہے۔ لہذا۔

★ جو لوگ اس دعوت کو حق سمجھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دے اور جو سنگ دل غفلت، حسد، منافقت، سازش یا جبر و تشدد کے ذریعہ اس کے راستے میں روڑے اٹکا کر ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کی توہین نیز امت کی اکثریت کی بے عزتی پر مجرمانہ ہنسی ہنستے اور اس کی مظلومی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

وہ خدا کے ہاں اپنا جواب سوچ لیں۔

(سید ابوذر بخاری)